خدا کی بستی-خاندانی رشتوں کے تناظر میں

آمنہ رفیق

Abstract:

Shoukat Siddiqui is a prominent name of modern urdu novel. His novels depict the true image of our society. His novel "Khuda Ki Basti" was published in 1959. A lot of research and critical work from social perspective has been done on this novel. Apart from presenting social demerits and moral evils, the story brings into limelight the decadence of marital values and family unity. It skillfully represents that how humility, lowliness and sexual indulgence ruin a family. Since family is an important pillar of a society thus family life affects social values whereas society has a strong impact on the family life. The purpose of this article is to analyze "Khuda Ki Basti" from an outlook of a family life which will definitely highlight some new aspects.

شوکت صدیقی کا ناول 'خدا کی بستی' جدید ناول نگاری میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ناول ایک ایسے خاندان کی داستان سناتا ہے جو غربت و افلاس کے سبب معاشرے کے بااثر افراد اور ہوس پرست لوگوں کے ہاتھوں استعمال ہوتا ہے۔ ان افراد کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے جبکہ خود اس خاندان کی سرپرست جنسی بے راہ روی کا شکار ہے اور بالآخر اس خاندان کا شیرازہ مکمل طور پر بکھر جاتا ہے۔ اس ناول میں انہوں نے معاشرے کی خرابیوں، سماجی و اقتصادی الجھنوں اور اخلاقی برائیوں کو بے حد مہارت سے پیش کیا ہے۔ یہ ناول اس پاکستانی معاشرے کی تصویر کشی کرتا ہے جب تقسیمِ ہند کے بعد یہ ملکِ نو اعلیٰ اخلاقی و انسانی قدروں سے محروم نظر آرہا تھا۔ اس دور میں سرمایہ دارانہ نظام بھی متصادم تھا اور سماجی و مذہبی اقدار کے علاوہ اخلاقی و ازدواجی قدروں میں بھی بحران جنم لے رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شوکت صدیقی کے عمیق مشاہدے اور گہرے تجربے نے اس کہانی میں روزمرہ زندگی اور اس کے مسائل کی پیش کش کے علاوہ خاندانی زندگی کے بکھرتے شیرازے کی بھی مہارت سے تصویر کشی کی ہے۔ یہ ناول ۱۹۵۹ء میں منظرِ عام پر آیا۔ شوکت صدیقی کو جدید دور کا پریم چند کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے پریم چند ہی کی طرح

حیاتِ انسانی کی تلخ حقیقتوں اور مسائل کو تجربات و مشاہدات سے ہم آمیز کر کے اپنے عہد کی الجھنوں اور خامیوں کے ساتھ اُجاگر کیا ہے۔ وہ سماج کی اسی حقیقت نگاری کو آگے لے کر چلے ہیں جس کی بنیاد پریم چند نے ڈالی تھی۔ بقول ڈاکٹر قمر رئیس:

> ''شوکت صدیقی کا فن تصور پرستی اور رومانیت کے ان عناصر سے پاک ہے جو آزادی سے قبل اردو ناول کی روایت کا جز رہے ہیں۔ انہوں نے سماجی حقیقت نگاری کی اس اعلیٰ روایت کو نئی وسعت دی ہے جس کی تعمیر پریم چند نے کی تھی۔ ان کا طبقاتی شعور اور انسان دوستی کا تصور ناول میں پریم چند سے آگے کی راہ دکھاتا ہے۔'' [1]

اس ناول میں مصنف نے حقائق کو نفسیاتی انداز میں پیش کیا ہے اور کہیں بھی حقیقت کا دامن چھوٹنے نہیں پاتا۔ وہ اس معاشرے میں جنسی بے راہ روی کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں اور ایسے واقعے کی پیش کش میں اشاروں سے کام لیتے ہیں مگر ان کا اندازِ بیاں ایسا ماہرانہ ہے کہ قاری کے ذہن میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں رہتا۔ ڈاکٹر ہارون ایوب رقمطراز ہیں:

> ''زندگی کی حقیقتوں سے شوکت صدیقی نے کبھی منہ نہیں موڑا بلکہ ان سے چشم پوشی کو کفر سمجھا ہے اور ان کی آنکھ نے جو کچھ دیکھا ذہن نے محسوس کیا اس کو انہوں نے ناول کے کینوس پر پھیلا دیا ہے۔ الغرض زندگی کی حقیقت اور سماج کی سچائی کو شوکت صدیقی نے شروع سے آخر تک ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔'' [2]

اس کہانی میں معاشرے کے تیسرے درجے کی عکاسی ہے۔ کہانی کا آغاز تین دوستوں نوشا، راجہ اور شامی سے ہوتا ہے جو بہت گہرے دوست ہیں۔ ان کو برائیوں کا سبق کچھ اپنے گھروں سے ملا ہے اور باقی زندگی کی تلخیوں اور گلی محلے کی آوارہ زندگی نے سکھا دیا ہے۔ اس ناول میں مرکزی خاندان نوشا کا ہے جس میں اس کی ماں، بہن سلطانہ اور بھائی انو ہے۔ پنواڑی نیاز بھی اس خاندان سے منسلک ہے۔ اس کے علاوہ سلمان اور اس کی بیوی رخشندہ کے ازدواجی تعلق کی پیش کش ہے جبکہ راجہ کے کردار کے ذریعے اس کے خاندان کی جھلک بھی موجود ہے۔

نوشہ اور راجہ غریب خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ تعلیم اور تمام آسائشوں سے محروم ہیں۔ راجہ گداگری کرتا ہے جبکہ نوشا ورکشاپ میں ملازم ہے۔ نیاز پنواڑی اپنے فائدے کے لئے نوشا کو چوری پر اکساتا ہے اور ایک دن نوشا نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ نوشا کی بیوہ ماں اور بہن محنت کر کے

گزر بسر کرتے ہیں اور غربت کی وجہ سے نوکری چھوٹ جانے پر نوشا کی ماں اس پر برہم ہوتی ہے بلآخر ایک دن یہ دوست سکون اور معاش کی خاطر گھر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ شامی اسٹیشن ہی سے ساتھ چھوڑ دیتا ہے مگر نوشا اور راجہ کراچی پہنچ کر جرائم پیشہ گروہ کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔ دونوں حوالات بھی جاتے ہیں۔ آخر کار نوشا کو نفسیات کا پروفیسر پناہ دیتا ہے۔ دوسری طرف سلطانہ، اس کی ماں اور انو گھر میں موجود ہیں اور ان کے حالات بد سے بدتر ہوتے جاتے ہیں۔ سلمان پڑھا لکھا نوجوان ہے جس کا نوشا کے گھر میں آنا جانا ہے وہ سلطانہ کو پسند کرتا ہے۔ سلطانہ کی ماں اپنے نکاح سے قبل اور حالات کے پیشِ نظر رات کے اندھیرے میں ان کی شادی کر کے اس کو اس کے گھر کا کر دینا چاہتی ہے مگر سلمان امیر گھر کا تھا جسے شراب اور دیگر وجوہات کی بناء پر گھر والوں نے خرچہ تک دینا بند کر دیا تھا انہی چند وجوہات کی بناء پر سلمان نکاح کے لئے نہ پہنچا اور اگلی صبح سلطانہ کی ماں نے نیاز سے نکاح کر لیا۔ اس کہانی کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ جوان اور شادی کے قابل بیٹی کے ہوتے ماں اپنا دوسرا بیاہ رچا رہی ہے اور سلطانہ اپنا عروسی جوڑا اتار کر ماں کے نکاح کی غرض سے دالان میں چاندنی بچھا رہی ہے۔

> ''ماں غسل کر کے نکلی۔ اس نے دیکھا سلطانہ دالان میں چاندنی بچھا رہی ہے۔ سرخ لباس اس نے اتار دیا تھا افشاں پونچھ ڈالی تھی۔ پھولوں کے گجرے مٹی کے گھڑوں پر لٹک رہے تھے۔ ماں نے اس سے کوئی بات نہ کی وہ اس سے نظریں نہ ملا سکی چپ چاپ کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ جب مسجدوں میں فجر کی نماز ختم ہو گئی اور گلی میں تھوڑی بہت چہل پہل شروع ہو گئی تو نیاز گھر میں داخل ہوا۔ قاضی کے علاوہ اس کے ہمراہ چار آدمی اور تھے۔'' [۳]

نیاز کی نظر تو سلطانہ رہوتی ہے مگر حالات کے پیشِ نظر وہ اس کی ماں سے پہلے ناجائز تعلق قائم کرتا ہے پھر نکاح کر لیتا ہے۔ اس کو ڈاکٹر سے زہر کے انجکشن لگواتا ہے تاکہ اس کی موت پر انشورنس کی رقم حاصل کر سکے۔ اس کی موت کے بعد وہ انو کو گھر سے نکال دیتا ہے اور سلطانہ سے ناجائز تعلق بناتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حاملہ ہے تو ہر شے سے نفرت کرنے لگتی ہے اور ارادہ کرتی ہے کہ حرام بچے کو پیدا ہوتے مار ڈالے گی مگر بچے کی پیدائش اس میں ممتا کی محبت جگانے کے ساتھ ہی اسے نیاز سے بھی قریب کر دیتی ہے۔

"اس نے سوچا تھا کہ پیدائش کے فوراً ہی بعد بچے کا گلہ گھونٹ کر چپکے سے اسے ختم کر دے گی اور اب اس کی یہ حالت تھی کہ اس کو دیکھ کر جی رہی تھی۔ وہ ہر وقت بچے ہی کے کسی نہ کسی کام میں منہمک رہتی۔ اس کی بدولت وہ اب نیاز میں بھی دلچسپی لینے لگی تھی ورنہ اس نے ہمیشہ نیاز کی قربت سے بیزاری محسوس کی تھی۔" ۴؎

نوشا اور پروفیسر کی بیٹی عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ایک روز پروفیسر نوشا کو بیٹی کا بوسہ لیتے دیکھ لینے پر گھر سے نکال دیتا ہے۔

"مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تم ابھی تک جرائم پیشہ ہو۔ اپنی بربادی کا انتقام تم معاشرے سے لو۔ تم مجھ سے اس کا بدلہ نہیں لے سکتے۔ ہرگز نہیں۔ تم سزا یافتہ ہو، جیب کترے ہو، اٹھائی گیرے ہو میں تم کو اس بات کا ہرگز حق نہیں دے سکتا کہ تم میری بیٹی کے ساتھ فلرٹ کرو۔ تم اور نادرہ مل کر مکمل اکائی نہیں بن سکتے۔ وہ خطِ مستقیم ہے اور تم خطِ مخنی۔ دو غیر مساوی مقداریں۔ تم مسئلہ فی التناسب سمجھتے ہو۔" ۵؎

نوشا اس کے بعد گھر لوٹ آتا ہے اور اسے تمام حالات کا پتا چلتا ہے تو اس میں بیٹے اور بھائی کی غیرت سر اٹھاتی ہے اور وہ نیاز کو قتل کر کے عمر قید کی سزا پاتا ہے۔ سلطانہ فلک پیما کے سیکرٹری احمد علی سے شادی کر لیتی ہے۔

سلمان اپنے لئے ماڈرن لڑکی منتخب کرتا ہے مگر اس کی تنخواہ محدود ہے اور وہ بیوی کا کپڑوں اور شاپنگ کا شوق پورا نہیں کر سکتا۔ وہ آزاد خیالی کا مظاہرہ کر کے اس کو جعفری کے ساتھ فلم کے لئے جانے دیتا ہے مگر جب اسے رخشندہ اور جعفری کے ناجائز تعلق کا یقین ہوتا ہے تو اس کو طلاق دے دیتا ہے۔ اس کی بیوی لالچی اور دھوکے باز ثابت ہوتی ہے جو وفاشعاری کے روپ میں اس کو فریب دیتی رہتی ہے اور اس کی غیر موجودگی میں جعفری اکثر اس کے گھر میں موجود ہوتا ہے۔ سلطانہ سے نکاح کا کیا عہد اور پھر فریب اسے بیوی کے فریب کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے جسے مکافاتِ عمل کا نام دینا مناسب ہو گا۔ جعفری کے ساتھ گھومنا پھرنا سلمان معیوب ہوتے ہوئے بھی پہلے پہل معیوب نہیں سمجھتا مگر یہ مشرقی خاندانی روایات کے سراسر خلاف عمل ہے۔ دن بدن ان دونوں کی بڑھتی نزدیکیاں البتہ سلمان کو اضطراب میں مبتلا کئے رکھتی ہیں۔ وہ دوٹوک الفاظ میں رخشندہ سے کہہ دیتا ہے کہ جعفری سے ملنا بند کر دے لیکن

رخشندہ اس بات سے منکر ہے۔ سلمان اسے یہاں تک کہتا ہے کہ اگر اسے خود پر اعتماد نہیں تو کچھ عرصے کے لئے میکے چلی جائے مگر اس سے بھی رخشندہ انکار کر دیتی ہے۔ وہ خود کو مجبور پاتا ہے کیونکہ رخشندہ اور جعفری کے بڑھتے تعلقات اس کی برداشت اور عزت نفس پر ٹھیس لگاتے ہیں تو دوسری طرف اس کی نوکری بھی جعفری ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بالآخر وہ طلاق کا فیصلہ کرتا ہے۔ سلمان کو پہلے ہی خاندان دھتکار چکا تھا اب ازدواجی تعلق بھی ختم ہو جاتا ہے۔ سلمان کو اپنے بہن بھائیوں سے بھی نفرت تھی کیونکہ وہ کوئی بلند مقام حاصل نہ کر پایا تھا۔

> ''سلمان کو نیاز سے بھی نفرت تھی اور اپنے بہن بھائیوں سے بھی۔ نیاز نے اس کو اس لئے حقارت سے دیکھا تھا کہ وہ قیمتی سگریٹ نہیں پی رہا تھا شاندار سوٹ نہیں پہنے تھا۔ اس کے پاس کار نہیں تھی۔ وہ مفلوک الحال انسانوں کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ ان کی زندگی کو سنوارنا چاہتا تھا اور اس کے بہن بھائی اس لئے اس کو ذلیل سمجھتے تھے کہ اس نے بڑا عہدہ ہتھیانے کی کوشش نہیں کی۔ بینک بیلنس کیوں نہ بڑھایا۔ ان کے نزدیک عوام کی خدمت محض مسخرا پن تھا۔ اس لئے کہ وہ بلندی ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں یہ پتا نہ تھا کہ نیچے کروڑوں ننگے بھوکے کیڑے مکوڑوں کی مانند رینگ رہے تھے جو ان ہی کی طرح انسان تھے۔ جن کی خوشیاں اور غم ان سے مختلف نہیں تھے۔'' [۶]

راجہ تعلیم سے محروم ہے باپ کے انتقال کے بعد اس کی ماں نے طوائف کا پیشہ اپنا لیا جس کا راجہ کو شدید غصہ اور دکھ تھا کہ اس کی ماں ایسا نہ کرتی تو وہ کبھی گھر نہ چھوڑتا۔ مگر اب وہ اس کی صورت بھی نہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کبھی سامنے آگئی تو قتل کر دے گا۔ وہ زندگی سے مایوس تھا اور ایک وقت پر مر جانا چاہتا تھا کہ اس کے مرنے پر بھی کوئی رونے والا موجود نہ تھا۔ مگر راجہ نے اس کو روکا۔ کراچی سے لوٹنے کے بعد اس نے رکشہ چلا کر گزر بسر کرنا شروع کیا۔

اس کہانی کا سب سے المیاتی کردار سلطانہ کا ہے۔ سلمان جب نکاح کا عہد کر کے نہیں آتا اور ماں دوسرا نکاح کر لیتی ہے تو سلطانہ کی تباہی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ وہ ماں کے سکھ کی خاطر اپنے جذبات کا کھی اظہار نہیں کرتی شادی کے بعد ماں کا سج سنور کر رہنا اور سوتیلے باپ کا کجرے اور جھمکے لانا اس کے احساس کو ٹھیس پہنچاتا ہے مگر وہ خاموش رہتی ہے۔ سلطانہ کی ماں بھی پاکدامن عورت تھی مگر شوہر کی وفات اور

تقسیم کے بعد کے حالات نے اس کو ناجائز تعلقات پر اکسایا اور نیاز نے ان کی مجبوری کا مکمل فائدہ اٹھایا۔ نیاز خود غرض لالچی اور بد کردار شخص ہے جو اس طبقے کی مجبوری کا بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے وہ سلطانہ کی کہیں اور شادی پر بھی انکاری نظر آتا ہے۔ وہ پہلے نوشا کی ماں پر محبت کا جال بچھا کر اس کی بچی کچی جوانی کا فائدہ اٹھاتا ہے پھر اپنا فائدہ سوچ کر نکاح کرتا ہے۔ اس کی موت کا سامان کرتا ہے اور پھر بیماری سے اس کو ڈھلتا دیکھ کر اور اس کی موت میں تاخیر سے گھبرا کر اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔

> ''نیاز اس کی طرف توجہ دیئے بغیر بیزاری سے بولا: دیکھو اس وقت مجھ کو پریشان نہ کرو میری طبیعت خراب ہے۔ بیوی کے دل پر گہرا چرکا لگا مگر وہ جھیل گئی۔ اس دفعہ اس نے اپنا نصف جسم اس کے سینے پر جھکا دیا اور بڑے پیار سے بولی: ناراض ہو مجھ سے؟ وہ جھنجھلا کر بولا: افو بھئی حد ہو گئی۔ خدا کے لئے تم مجھ کو اسی طرح پڑا رہنے دو۔ یہ دوسرا چرکا تھا وہ بلبلا کر رہ گئی۔ ذرا دیر خاموش رہی پھر وہ شکوہ کرنے کے انداز میں بولی: آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے لاؤ میں تمہارا سر دبا دوں۔ اس کے لہجے سے خوشامد جھلک رہی تھی نیاز ذرا بھی نہ پسیجا اس کی جانب دیکھے بغیر بولا: جاؤ تم اپنے بستر پر لیٹو۔ مجھے نیند آرہی ہے۔'' [7]

سوتیلا باپ ہو کر بھی نیاز نہ تو سلطانہ اور انو پر نظر کرم کرتا ہے نہ ہی اپنی بیوی سے تعلق کا پاس رکھتا ہے یہاں تک کہ جب وہ ایک دن انجکشن سے انکار کرتی ہے کہ اس کی انجلشن سے طبیعت بگڑنے لگتی ہے تو وہ غصے میں جھنجھلا کر اس کو گالی تک دینے پر اتر آتا ہے۔ ''عجیب الو کی پٹھی عورت سے سابقہ پڑا ہے۔''[8] گالی سے نوشا کی ماں تڑپ جاتی ہے کیونکہ اس کے سابقہ شوہر نے کبھی تُو کہہ کر بھی نہ بلایا تھا گالی تو درکنار۔ بقول ڈاکٹر مشتاق احمد وانی:

> ''نیاز کا کردار ایک آوارہ منچلے شخص ہی کا نہیں بلکہ ایک ایسے شہوت رست کا کردار ہے جو سماج کے لئے ایک ناسور ہے، جو رات کی تاریکی اور دن کے اجالے میں نوشا کی ماں کے پاس آکر اس سے دست درازی کرتا ہے اور اس کو اپنے دام فریب میں مقید کرتا ہے لیکن سماج کے افراد میں اتنی ہمت اور خیر و شر کی کوئی تمیز باقی نہیں جو نیاز کباڑیے کے خلاف اس کے ناجائز کاموں کے لئے صدائے احتجاج بلند کرتے۔''[9]

نوشا کی ماں خوبصورت اور شوہر کی فرمانبردار دکھائی گئی ہے۔ وہ پہلے خاوند کی بھی وفادار تھی مگر اب اسے ایک ساتھی کی تلاش تھی جو اس کے ساتھ اس کی زندگی کے بوجھ اٹھاتا مگر وہ بے خبر تھی کہ نیاز اس کا استعمال کر رہا ہے۔ وہ محض پچیس ہزار کے لئے اس کے قتل کا منصوبہ بنا کر اس سے شادی کرتا ہے۔ دولے کی ہوس اس کو اندھا کئے ہوئی ہے۔ نوشا کی ماں کے ایک غلط فیصلے نے اس کے ساتھ ساتھ اس کی جوان بیٹی کی بھی زندگی برباد کر دی۔ اس کا بے وفا، لالچی اور ہوس پرست شوہر اس کے قتل کے منصوبے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ماں کی موت کے بعد وہ سلطانہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے۔ اس سارے معاملے میں ہمیں خاندانی قدریں ٹوٹتی نظر آتی ہیں اور انسان انسانیت کی سطح سے بھی پست ثابت ہوتا ہے۔

نوشا اگرچہ نو عمر ہے مگر اپنے باپ کی وفات کے بعد گھر میں اس کی موجودگی مرد کے ہوتے ہوئے خاندان کی عورتوں کے لئے ایک تحفظ کی علامت بن سکتی تھی لیکن عمر کا لاابالی پن اور احساسِ ذمہ داری کی کمی اس کے شعور میں اس سوچ کو بیدار نہیں کرتی کہ وہ اپنے خاندان کی سرپرستی کا بیڑہ اٹھائے نہ وہ اس حقیقت سے آشنا ہے کہ ماں اور بہن کس طرح گھر کا نظام چلا رہے ہیں اور گھر میں شادی کے قابل بہن بھی موجود ہے اور ایک چھوٹا بھائی بھی۔ نوشا اور سلطانہ اس ہلو پر سوچتے تک نہیں کہ آخر ان کے مکان کا کرایہ کیونکر اتنے مہینوں سے معاف ہو رہا ہے۔ ان حقائق کو محسوس کئے بناء نوشا ماں کی جھڑکیوں اور ڈانٹ سے اکتا کر خود کے لئے عیش کا راستہ اختیار کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ اس کو یہ گمان ہے کہ گھر اور خاندان سے فرار حاصل کر کے وہ سکون اور راحت کی زندگی کا انتخاب کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ راجہ کے ساتھ کراچی جانے کا عہد کرتا ہے مگر مقدر کی چکی اس کے دن رات کو مزید پیس دیتی ہے اور گھر جتنا سکون بھی باقی نہیں رہتا۔ نوشا فرمانبردار بیٹے اور تحفظ دینے والے بھائی کے روپ میں سامنے نہیں آتا۔ پروفیسر کا گھر سے نکالنا اسے التبہ انے گھر کو چھوڑنے پر پچھتاوے میں مبتلا ضرور کرتا ہے لیکن جب تک وہ لوٹتا ہے پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے۔ اسٹیشن پر اس کی ملاقات شامی سے ہوتی ہے جو نوشا کو اس کے گھر کے حالات، ماں کی موت اور سلطانہ کے ساتھ نیاز کے ناجائز تعلق کا بتاتا ہے نوشا کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے اور نیاز کا قتل کر دیتا ہے سزا کے طور پر اس کو عمر قید ہو جاتی ہے۔ اس واقعے کے بعد سلطانہ بے یارو مددگار ہو جاتی ہے اور چند ہوس پرستوں کے ہوس کا نشانہ بنتی ہے۔ آخر میں احمد علی اس کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا ہے۔

اگرچہ غربت کا سامنا نوشا اور اس کے خاندان کو پہلے سے ہی تھا مگر ان حالات کا سامنا وہ مل کر کر رہے تھے خواہ کتنا ہی کٹھن ہو گزر بسر لیکن نوشا کا گھر سے جانا اور اس کی ماں کا اپنی شادی کا فیصلہ اس خاندان کی تباہی کا سبب بنا۔ مذہبی اور سماجی اعتبار سے دوسری شادی معیوب نہیں جب کہ حالات بھی ایسے ہوں کہ زندگی کے گزارے کا کچھ سامان اس کے علاوہ نہ رہے لیکن ایسے وقت پر یہ فیصلہ کیا گیا جب گھر میں شادی کے قابل بیٹی موجود تھی اور اس کو سوتیلے باسے تحفظ دینا بھی بے حد ضروری تھا۔ سلطانہ کی ماں اپنی زندگی میں بیٹی کو محفوظ مستقبل دینے میں ناکام رہی جس نے سلطانہ کو تباہ بھی کیا اور اس کی پاکدامنی پر کاری ضرب بھی لگائی لہٰذا انہدام اس خاندان کا مقدر بن گیا۔

شوکت صدیقی نے اس ناول میں معاشرے میں جنم لیتی ہوس پرستی، جنسی بے راہ روی اور منہدم ہوتیں اخلاقی و خاندانی اقدار کی ماہرانہ عکاسی غریب خاندان کے ذریعے کی ہے جس سے اس عہد کے مایوس کن حالات، غیر اخلاقی انسانی اقدار اور سماج میں پہلے سے موجود اور جنم لیتی ہوئی برائیوں کی مکمل عکاسی ہوتی ہے۔

حواشی:

۱۔ قمر رئیس، ڈاکٹر: تلاش و توازن، دہلی: ادارہ خرام پبلیکیشنز، ۱۹۶۸ء، ص:۵۳۔۵۴

۲۔ ہارون ایوب، ڈاکٹر: اردو ناول پریم چند کے بعد، لکھنؤ: اردو پبلیشرز، ۱۹۷۸ء، ص:۲۶۱

۳۔ شوکت صدیقی: خدا کی بستی، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۲ء، ص:۱۶۵

۴۔ ایضاً، ص:۵۳۷

۵۔ ایضاً، ص:۵۴۵

۶۔ ایضاً، ص:۴۸۶

۷۔ ایضاً، ص:۳۰۵

۸۔ ایضاً، ص:۳۱۳

۹۔ مشتاق احمد وانی، ڈاکٹر: تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیبی بحران، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۲۰۰۷ء، ص:۲۲۶